چاند پر پہنچنا انسان کا ایک عظیم تاریخی کارنامہ ہے ہرگز قرآن کریم پر وجہ اعتراض نہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵؍ستمبر ۱۹۶۹ء بمقام احمدیہ ہال۔ کراچی)

☆ آثارِ صفاتِ باری تعالیٰ کے مخصوص مجموعہ کا نام زمین ہے۔

☆ انسانی زندگی کی بقاء کا ایک بڑا ذریعہ ہوا ہے۔

☆ پتھروں میں اگر نمی نہ ہو تو یہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

☆ آسمان اور زمین بندھی ہوئی گٹھڑی کی طرح ہیں۔

☆ زمینی حدود سے باہر ارضی صفات سے بے نیاز ہو کر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ ٥ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ٥ (الاعراف: ۲۵، ۲۶)

اس کے بعد فرمایا:۔

سالِ رواں ۲۱ رجولائی کو زمین سے باہر نکل کر انسان کا پہلا قدم چاند پر پڑا اس میں شک نہیں کہ تسخیر عالَم کی عظیم جدوجہد میں انسان کا یہ بہت بڑا تاریخی کارنامہ ہے لیکن اس عظیم کارنامہ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے بعض طبقوں میں بھی اور میرے خیال میں مذہبی دنیا کے بعض دوسرے حصوں میں بھی کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے ذہنی انتشار پیدا ہوا۔ چنانچہ تنزانیہ سے مجھے ایک خط میں یہ اطلاع ملی کہ وہاں ہمارے مبلّغ کسی استقبالیہ دعوت میں شریک ہوئے اور اس موقع پر اُنہوں نے یہ باتیں سنیں کہ انسان کا چاند پر جانا قرآنِ کریم کے خلاف ہے اور اس قسم کی بات کو قبول کر لینا موجب کفر ہے۔ اسی طرح رنگون کے ایک خط میں یہ ذکر تھا کہ وہاں ہمارے مبلّغ نے بعض پڑھے لکھے لوگوں حتّٰی کہ بعض علماء کو یہ کہتے سنا کہ اگر چاند پر انسان پہنچ بھی چکا ہو پھر بھی ہمیں اس پر یقین کرنے اور اس پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ غرض اس قسم کے کفر کے فتوی دیئے گئے اور عدمِ علم کی وجہ سے خلاف حقیقت باتوں کا اظہار کیا گیا۔ دوسری طرف خود ہمارے پاکستان میں ہمارے بعض علماء نے بڑے اچھے مقالے لکھے اور بعض مجالس میں پڑھے بھی گئے ہیں جن میں سے ایک مکرم محمد یوسف صاحب بنوری کراچی کے رہنے والے ہیں اُنہوں نے ابھی چند دن ہوئے اوقاف کے سیمینار میں تسخیر کائنات پر ایک بڑا اچھا اور معقول مقالہ پڑھا ہے اور اپنے مقالہ میں بعض قرآنی آیات کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس قسم کے کارنامے قرآن کریم کی تعلیم پر کوئی وجہِ اعتراض نہیں بنتے۔ اِس سلسلہ میں مَیں سمجھتا ہوں کہ تین سوال ہیں جن کا ہمیں جواب دینا چاہئے۔

ایک سوال تو یہ ہے کہ کیا زمین سے باہر انسان کا زندہ رہنا ممکن ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا دوسرے اجرام یعنی کروں پر آبادیاں ہیں یا نہیں اور کیا انسان دوسرے اجرام تک پہنچ سکتا یا تعلق کو قائم کر سکتا ہے یا نہیں اور تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کریم میں ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں کہ کبھی کسی زمانہ میں انسان دوسرے کروں تک پہنچ جائے گا؟

یہ تین سوال اگر حل ہو جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ پھر کسی کے دماغ میں کوئی خلفشار یا کوئی بے چینی یا مذہب سے بُعد پیدا ہونے کا کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا انسان زمین سے باہر یعنی قرآن عظیم کی اصطلاح میں ’’الارض‘‘ کے جو معنی ہیں اس سے باہر زندہ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس زمین یعنی ’’الارض‘‘ سے باہر زندہ نہیں رہ سکتا لیکن زمین سے یہاں وہ تعریف مراد نہیں جو ایک غیر مسلم کے ذہن میں ہوتی ہے۔

مسئلہ زیر بحث کے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ زمین کی تعریف اور اس کے معنی سمجھنے کیلئے اس کتاب عظیم کی طرف رجوع کیا جائے جس نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور یہ اعلان فرمایا ہے کہ ’’فِيهَا تَحْيَوْنَ‘‘ تم اسی میں زندگی بسر کرو گے اس کے باہر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں الارض کسے کہتے ہیں۔

جس وقت اِدھر اُدھر بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور میرے کانوں تک بھی آوازیں پہنچ رہی تھیں اُس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور رہنمائی کی درخواست کی کہ وہ میرا خود معلّم بنے اور اس مسئلہ کی حقیقت کا علم بخشے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارا مضمون یہ بتا کر سمجھا دیا کہ قرآن کریم سے الارض کی تعریف معلوم کر لو سارا مسئلہ اپنے آپ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے غور کرنا شروع کیا۔ آیاتِ قرآنیہ دیکھیں اور جس حد تک میری سمجھ میں آیا ہے وہ میں اس وقت دوستوں کے سامنے بیان کر دینا چاہتا ہوں لیکن قبل اس کے کہ قرآن کریم نے جو الارض کی تعریف کی ہے وہ بیان کی جائے اور اسے سمجھا جائے، یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ مخلوق کسے کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات عالَم پیدا کی اس کے کچھ حصوں تک ہماری نظر پہنچی اور پھر تھک کر رہ گئی۔ کچھ حصوں تک ہماری دُوربینیں پہنچیں، پھر انہوں نے بھی اپنی عاجزی کا اقرار کیا کہ اس سے آگے تو ہم بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ پھر ہمارا تخیل بھی کہیں سے کہیں تک پہنچا لیکن خدا تعالیٰ کی مخلوق تو انسانی تخیل سے بھی

کہیں آگے تک پھیلی ہوئی نظر آئی۔ پس ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس عالمین کی بے شمار مخلوق کی تعریف اور حقیقت کیا ہے اس موضوع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ آپ کے چند اقتباسات میں اس وقت پڑھ کر سناؤں گا اور پھر بتاؤں گا کہ مخلوق اسلام کے نزدیک قرآنِ کریم کی رُو سے کس چیز کا نام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

’’اسی طرح تحقیق کی نظر سے یہ بھی سچ ہے کہ جس قدر اجرامِ فلکی وعناصر ارضی بلکہ ذرّہ ذرّہ عالم سفلی اور علوی کا مشہود اور محسوس ہے یہ سب باعتبار اپنی مختلف خاصیتوں کے جو ان میں پائی جاتی ہیں خدا کے نام ہیں اور خدا کی صفات ہیں اور خدا کی طاقت ہے جو ان کے اندر پوشیدہ طور پر جلوہ گر ہے اور یہ سب ابتداء میں اسی کے کلمے تھے جو اس کی قدرت نے ان کو مختلف رنگوں میں ظاہر کر دیا‘‘۔　(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۴۲۳، ۴۲۴)

اسی طرح آپ ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں:۔

’’یہ ایک سِرّ ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقات الٰہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر یک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات کلماتِ الٰہی کے اظلال و آثار ہیں یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلماتِ الٰہی ہی ہیں جو بقدرتِ الٰہی مخلوقیت کے رنگ میں آجاتے ہیں‘‘۔　(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۱۲۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے یہ جلوے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے وہ ایک جلوے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کلمہ دراصل حکم ہے کُن کا کہ تم یہ شکل اختیار کر لو چنانچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور منشاء اور اس کے ارادے اور اس کے حکم سے صفاتِ الٰہیہ ایک مخلوقیت کا رنگ اپنے اوپر لے لیتی ہیں اور ایک حدوث میں متشکل ہو کر مخلوق بن جاتی ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

’’درحقیقت یہ ایک سِرّ اُن اسرارِ خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتے اور عوام کیلئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ ہو گیا...... اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ہر یک چیز خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر ہوئی ہے اور کوئی چیز بغیر اس کے پیدا

نہیں ہوئی اور نہ خود بخود ہے‘‘۔ (سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۷)

اِسی کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

’’ہاں بے شک یہ تو ہم مانتے ہیں اور مان لینا چاہئے کہ جو کچھ صفتیں جناب الٰہی کی ذات میں موجود ہیں انہیں صفات غیر محدود کے آثار اپنے اپنے وقتوں میں ظہور میں آتے ہیں نہ کوئی امر ان کا غیر اور وہ صفات ہر یک مخلوق ارضی وسماوی پر مؤثر ہو رہی ہے اور انہیں آثار الصفات کا نام سنّت اللہ یا قانون قدرت ہے‘‘۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۴۲، ۴۳)

پھر آپ فرماتے ہیں:۔

’’یہ نہایت محقق صداقت ہے کہ ہر یک چیز اپنے اندر ایک ایسی خاصیت رکھتی ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی غیر متناہی قدرتوں سے اثر پذیر ہوتی رہی۔ سو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواص اشیاء ختم نہیں ہو سکتی گو ہم اُن پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں‘‘۔

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۴۵)

پس ’’مخلوق‘‘ قرآن کریم کی رُو سے ان صفات کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم سے حدوث کا جامہ پہن لیتی ہیں اور حادثیت کا وجود اختیار کر کے مخلوق بن جاتی ہیں ان کے سوا کوئی اَور چیز مخلوق نہیں کیونکہ یہ کائناتِ ارضی وسماوی اللہ تعالیٰ کے ان جلوؤں پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مادی رنگ میں وجود پذیر ہے۔ ویسے تو اب سائنس نے بھی اِس مسئلہ کو سمجھنا آسان بنا دیا ہے کیونکہ پہلے مادے اور Energy (طاقت) میں بہت بڑا فرق سمجھتے تھے۔ مادے کو ایک اَور چیز سمجھتے تھے اور اس کے پیچھے جو طاقت اور قوت کارفرما ہے اس کو ایک علیحدہ چیز سمجھتے تھے لیکن اب سائنس دانوں نے مادے کی جو نئی تعریف کی ہے وہ یہ ہے کہ:۔

``A matter is nothing but another form of enegry.``

یعنی یہ مادہ تو دراصل طاقت ہی کی ایک اَور شکل ہے۔ پس اس سے ہمارے لئے یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے جلوے، اس کی صفات کے جلوے اس کے حکم اور ارادے سے مادی شکل میں متشکل ہو کر مخلوق بن جاتے ہیں جیسا کہ سائنس دانوں کے نزدیک Energy (طاقت) جو ہے وہی

ایسی شکل اختیار کرتی ہے کہ وہ بالآخر مادہ بن جاتی ہے۔ ہمارے لئے اس نئی سائنسی تحقیق نے سِرِّ ربوبیت کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ پس ہر مخلوق صفاتِ باری تعالیٰ کا اثر یا ظل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس نے حدوث کا جامہ پہن لیا ہے۔

غرض جب مخلوق کی حقیقت ہم پر کھل گئی تو ہمارے لئے زمین کی تعریف جو قرآن کریم نے بیان کی ہے اس کا سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس پس منظر میں کہ مخلوق کسے کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی رُو سے زمین کی تعریف یہ ہوئی کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بے شمار جلوؤں یا آثارِ صفات باری تعالیٰ کے مخصوص مجموعہ کا نام زمین ہے۔ پھر آگے خود قرآن کریم نے اس مخصوص مجموعہ صفاتِ باری تعالیٰ یا مجموعہ آثارِ صفاتِ باری تعالیٰ کی خصوصیات بھی بیان کی ہیں تا کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ الارض کا لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد آیات ہیں جن میں زمین کے متعلق بتایا گیا ہے کہ زمین یہ ہے۔ ہم نے زمین کو ایسا بنایا ہے اور ہم نے زمین میں یہ یہ خاصیتیں رکھی ہیں وغیرہ۔ اس وقت میں چند مثالیں دوں گا تا کہ مسئلہ زیرِ بحث کا سمجھنا آسان ہو جائے اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زمین کسے کہتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (الانبیاء: ۳۳)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذّٰریٰت: ۴۸)

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً (النمل: ۶۱)

آسمان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات بیان کی ہیں۔ میں نے ان میں سے چند کو بعض خصوصیات کی وجہ سے لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ زمین وہ وجود ہے، وہ مخلوق ہے کہ جس کے گرد ہم نے آسمان کا ایک کمر بند باندھ رکھا ہے۔ اس کا (جیسا کہ قرآن کریم کی مختلف آیات میں بیان ہوا ہے) زمین پر بسنے والے انسانوں کو ایک فائدہ تو یہ ہے کہ دوسرے کرّوں سے ریڈیائی لہریں جو زمین کی طرف آ رہی ہیں وہ اگر زمین پر اپنی اصلی حالت میں پہنچ جائیں تو انسان کی ہلاکت کا موجب بن جائیں۔ یہ آسمانی جَوّ روک بن جاتی ہے اور وہ زمین تک پہنچنے نہیں پاتیں۔ پھر شہابِ ثاقب ہیں جو بڑی تیزی سے ہماری اس آسمانی جَوّ میں داخل ہوتے ہیں اور اس کی کثافت کی وجہ سے ان میں آگ لگ جاتی

ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے تو ان میں ایک دلچسپی کا سامان ہوتا ہے اور اُن کے لئے اس میں بس ایک نظارہ ہوتا ہے کیونکہ ان کو تو حقیقت معلوم نہیں ہوتی لیکن ہمارے لئے اس لحاظ سے دلچسپی کا موجب ہے کہ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی علوِ شان کو جلوہ گر پاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم عاجز انسانوں پر کتنا بڑا رحم کیا ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ان شہب کی یلغار سے ہمیں بچالیا اور ہماری حفاظت کے لئے آسمان بنا دیا پھر اس آسمان میں ہوا بھر دی اور اس کے بے شمار کام مقرر کر دیئے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جب بادل بنتے ہیں تو یہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور حکم کے ماتحت اُڑا کر اِدھر اُدھر لے جاتی ہے اور پھر جہاں خدا تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں بارش برسنے لگتی ہے۔

پھر ہوا ہمارے کانوں کے لئے بھی بہت ہی مفید اور ضروری چیز ہے۔ ہمارے کان کام ہی نہ کرتے اور بالکل بے کار چیز ہوتے اگر صوتی لہریں آواز کو ان تک نہ پہنچائیں۔ پس اگر ہوا نہ ہوتی اور اس میں صوتی لہروں کا انتظام نہ ہوتا تو ہمارے کانوں میں آواز ہی نہ پڑتی۔ اسی طرح انسانی زندگی کی بقاء کا ایک بڑا ذریعہ ہوا ہے۔ ہمارے پھیپھڑے ہوا سے آکسیجن لیتے ہیں اور اس طرح ہماری زندگی کی بقاء کا انتظام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی مخلوق بھی پیدا کر دی ہے جو اپنی زندگی کا یہ سامان ہوا سے نہیں لیتی بلکہ پانی سے لیتی ہے۔ مثلاً مچھلی ہے جس ہوا پر انسانی زندگی کا مدار ہے وہی ہوا مچھلی کے لئے موت کا پیغام بن جاتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین وہ ہے کہ جس کے گرد ہم نے ایک آسمان بنایا ہے اور اس میں ہم نے انسان کے لئے بہت سے فوائد رکھے ہیں جن کے بغیر اس دنیا میں انسانی زندگی ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اب تک کسی بھی سائنس دان نے یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی کر سکتا ہے اور نہ عقل اس کو قبول ہی کر سکتی ہے کہ ہوا کے بغیر انسان زندہ رہ سکتا ہے یا اس کے بغیر انسان سن سکتا ہے یا ہوا کے بغیر انسانی پھیپھڑے سانس لے سکتے ہیں یا انسان اُن ہلاکتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جن کی یورش بڑی تیزی اور بڑی وسعتوں کے ساتھ زمین پر ہو رہی ہے۔ پس قرآن کریم کی رُو سے زمین وہ مخلوق ہے، وہ مجموعہ صفات ہے جس کے گرد آسمان حلقہ کئے ہے اور پھر یہ بھی کہ اس کے اندر بہت سی مفید خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین وہ ہے کہ جس کے اندر جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء:۳۱)

کہ جس میں ہم نے ایک ایسا پانی پیدا کیا ہے جس پر حیات کا مدار ہے یعنی ہر دنیوی مخلوق کی زندگی کا

انحصار پانی پر ہے یہ زندگی شجر کی ہے تب بھی اور اگر حجر کی ہے تب بھی اس کا مدار پانی پر ہے۔ پتھروں کے ذرّے آپس میں نمی کی وجہ سے مل کر ٹھوس شکل میں نظر آتے ہیں اگر ان میں نمی نہ ہو تو یہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ یہ ہیرا ہیرا نہ رہے۔ غرض یہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہے جس کی بدولت دنیا کی ہر چیز حیات پاتی ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی وجہ سے یہ جلوہ معرض تعطل میں پڑ جائے تو پانی کے بند ہو جانے سے اجزائے عناصر میں ایسا انتشار پیدا ہو جائے کہ جس سے زندگی اور بقاء ممکن ہی نہ رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین وہ ہے جس میں اَلْمَآء جاری کیا۔ خالی مَآء نہیں فرمایا بلکہ اَلْمَآء کہہ کر اِس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ پانی اپنے اجزاء کے لحاظ سے وہ مخصوص پانی ہے جس پر حیات اور اس کی بقا کا مدار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین صرف وہ نہیں جس میں ہم نے پانی پیدا کیا ہے بلکہ زمین وہ ہے جس میں ہم نے پانی کی مناسب تقسیم کا سامان بھی پیدا کیا ہے اور زمین کو Pollute (گندہ) ہونے سے محفوظ رکھنے کے سامان پیدا کر دیئے۔ صاف پانی اور گندے پانی کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی۔ اگرچہ وہ نظر نہیں آتی لیکن درحقیقت صاف اور گندے پانی کے درمیان ایک دیوار یا حدِّ فاصل قائم ہے۔ پس قرآن کریم کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے زمین کی تعریف یہ بھی کی ہے کہ جس میں ایسے مختلف اجزاء پر مشتمل پانی ہو جس پر زندگی کا سارا دارومدار ہو۔ پھر ایک طرف اس کی صفائی کا انتظام کیا گیا ہو اور دوسری طرف اس کی مناسب تقسیم کا بھی انتظام کیا گیا ہو۔ ہمیں صفات باری کے یہ مخصوص جلوے جس وجود میں نظر آ رہے ہیں قرآن کریم اس کو الارض (یعنی زمین) کہتا ہے۔ چنانچہ اِس حقیقت کا اظہار اِس آیہ کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (النمل: ٦٢)

جیسا کہ مَیں نے ابھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کی تقسیم اور صفائی کا بھی انتظام کیا ہے۔ چنانچہ سورج کو کہا (سارے اجرامِ فلکی انسان کی خدمت پر مامور ہیں) کہ سمندروں کے پانی کو گرماؤ اور پھر اس سے بخارات کو اُٹھاؤ اور پھر ہواؤں کو کہا یہ کمزور بخارات ہیں یہ وہ سفر کر نہیں سکتے جو ہم ان سے کروانا چاہتے ہیں اس لئے ان کو اپنے کندھوں پر اُٹھاؤ اور جہاں ہم کہتے ہیں وہاں انہیں لے جاؤ۔ پہاڑوں کو کہا کہ جب تک پانی کے باریک ذرّے آپس میں ٹکرائیں گے نہیں اس وقت تک پانی کی شکل میں زمین پر نازل نہیں ہو سکتے اس لئے تم ان کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ تا کہ اس طرح بارش برسے اور

پہاڑی ندی نالے دریاؤں کی شکل میں بہہ نکلیں اور ان دریاؤں کے ذریعہ سے زمین کی سیرابی اور شادابی کا انتظام ہو۔ پھر ان پہاڑوں سے یہ بھی کہا کہ دیکھو بادل تو جب ہم کہیں گے وہ آئیں گے لیکن تم کچھ Store (ذخیرہ) کرلو تا کہ تھوڑے بہت پانی کا سارے سال انتظام ہوتا رہے۔ چنانچہ برف کی شکل میں پہاڑوں پر Reservoirs (ذخیرے) قائم کر دیئے جن میں سے تھوڑا بہت پانی سارا سال ہی بہتا رہتا ہے۔ پس زمین وہ ہے جس میں پانی ہے اُن اجزاء کے ساتھ جن پر حیات کا انحصار ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے جلوؤں نے اس پانی کی آگے مناسب تقسیم کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔ پھر پانی میں کچھ تو لوگوں نے گند ملانے تھے اور کچھ دوسرے گند مل جانے تھے اور Stagnation (کھڑے پانی) کی وجہ سے کیڑے پیدا ہو جانے تھے اور یہ مختلف Germs (جراثیم) ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے بارش برسائی جس سے دریا بہہ نکلے اور ان کے تیز بہاؤ کے ساتھ یہ سارے گند بہہ کر سمندر میں جا ملے جس سے سمندر کا پانی ناقابل استعمال ہو گیا۔ اگر سمندر کا یہ پانی حیات کا ذریعہ ٹھہرتا تو بیماری ہی بیماری ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان فرمایا کہ سورج کی تپش سے سمندر سے نہایت صاف اور مصفّا پانی کے بخارات اُٹھائے۔ ہم Distil کر کے جو عرق نکالتے ہیں وہ بھی اتنا صاف نہیں ہوتا جتنے یہ بخارات صاف ہوتے ہیں یا ہم پانی کو اُبال کر جراثیم مارتے ہیں اس میں بھی وہ بات نہیں جو خدا تعالیٰ کے اِس نظام میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ اُصول بنا دیا ہے کہ یہ دو پانی (ایک سمندر کا اور دوسرا دریاؤں وغیرہ کا) آپس میں مل نہیں سکتے۔ اِس گول زمین میں اونچائی اور نیچائی یعنی نشیب و فراز کا اصول اللہ تعالیٰ ہی چلا سکتا تھا انسان خواہ کتنا ہی سوچے اس کے دماغ میں تو یہ آ ہی نہیں سکتا۔ مثلاً اگر آپ دو گیند بنائیں اور ان میں اگر زمین کی کشش وغیرہ کا حصہ نہ ہو تو آپ کو سمجھ بھی نہیں آ سکتی کہ ان میں اونچ نیچ کیسے رکھیں یا نشیب و فراز کیسے بنائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ نشیب میں گندے پانی کو رکھا اور اونچی جگہ پر صاف پانی کو رکھا جو برسات کے موسم میں موسمی بارشوں یا چشموں یا برف سے پگھلے ہوئے پانی سے دریاؤں کی شکل میں بہہ نکلتا اور ایسا حکیمانہ انتظام کر دیا ہے کہ یہ دونوں (سمندر اور دریاؤں وغیرہ کے) پانی آپس میں (خواص کے لحاظ سے) ملتے نہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سمندر کا پانی دریاؤں کے پانی کو خراب کر دے بلکہ بادلوں کے ذریعہ، ہواؤں کے ذریعہ اور پہاڑوں کے انتظام کے ساتھ ایک ایسا نظام

جاری کر دیا جس کے ذریعہ گندے پانی میں سے اچھے پانی کے انسان تک پہنچنے کا انتظام ہوتا رہتا ہے۔ غرض اس سارے انتظام کی بدولت ایک روک بھی ایسی پیدا کر دی کہ دنیا کی کوئی طاقت اس روک کو دُور نہیں کر سکتی اور ایک پُل بھی ایسا بنا دیا کہ پانی کے جتنے فوائد ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس پُل کے ذریعہ ہمیں حاصل ہونے لگ گئے۔

پس قرآن کریم کی رُو سے یہی وہ اَلْاَرْضِ یعنی زمین ہے جہاں پانی ہے جو حیات اور زندگی کا منبع اور سرچشمہ ہے اور پھر زندگی کے اس سرچشمے کی آگے مناسب تقسیم کیلئے اللہ تعالیٰ کی صفات کے جلووں نے ایک عظیم انتظام کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی ایک اَور خاصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ ایک جیسی زمین ہوتی ہے، ایک ہی قسم کے پانی سے سیراب ہوتی ہے مگر اس میں مختلف قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کھیتوں کو دیکھئے زمین کے لحاظ سے یہ ایکڑ اور وہ ایکڑ دونوں برابر ہیں۔ ایک ہی نہر سے ہم انہیں پانی دے رہے ہوتے ہیں یا ایک ہی Tubewell (ٹیوب ویل) یا کنوئیں کے پانی سے وہ سیراب ہو رہے ہوتے ہیں یا ایک ہی قسم کی بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور فصلوں کو سیراب کرتی ہے لیکن ہم کہتے ہیں یہ زمین گندم کے لئے اچھی ہے، یہ زمین دھان کے لئے اچھی ہے، یہ زمین کپاس کے لئے اچھی ہے، یہ زمین تیل کے بیجوں کیلئے اچھی ہے، یہ زمین آم کے درخت لگانے کے لئے اچھی ہے، یہ زمین امرود کے پیڑوں کے لئے اچھی ہے، یہ زمین سنگترے مالٹے اُگانے کیلئے اچھی ہے اور یہ زمین جہاں کچھ اور نہیں اُگتا شور اور کلر والی ہے یوکلپٹس کیلئے اچھی ہے۔ غرض ایک جیسی زمین اور ایک ہی جیسا پانی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک خاص حکمت کے ماتحت یہ انتظام کیا کہ اس میں سے مختلف نوع کی چیزیں پیدا ہوں (میں اس کی کسی قدر تفصیل آگے بیان کروں گا) جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے زمین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں باوجود اس کے پہلو بہ پہلو ہونے اور ایک ہی پانی سے سیراب ہونے کے مختلف انواع کے اجناس اور پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ پس زمین کی یہ خصوصیت بھی دراصل خدا تعالیٰ کے بے شمار جلووں پر مشتمل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیا:۳۱)

زمین میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار جلوے ہمیں نظر آتے ہیں۔ یہ زمین ایک ہی وقت میں بندھی ہوئی

گٹھڑی کی طرح بھی ہے اور فتق یعنی کھلنے یا اپنے مخفی رازوں کے ظاہر کرنے کی خاصیت بھی رکھتی ہے۔ ورنہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں ایک ہی نسل میں وہ ساری کی ساری ایجادات جو انسان نے انسانی عمر میں کرنی تھیں یا وہ Discoveries (دریافتیں) یا معلومات حاصل کرنی تھیں ایک ہی وقت میں رونما ہو جاتیں اور یہ ریلیں اور ہوائی جہاز اور یہ راکٹ اور یہ مختلف قسم کی دوائیاں وغیرہ پہلے زمانوں ہی میں بنالی جاتیں تو ہمارا یہ زمانہ بڑا Bore (اُکتا دینے والا) ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو ایک Urge (خواہش) رکھی ہے کہ وہ نئی سے نئی چیزیں تلاش کرے اس خواہش کو پورا کرنے کا اُسے کوئی سامان میسر نہ آتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ آسمان اور زمین بندھی ہوئی گٹھڑی کی طرح بھی ہیں اور اپنے اندر فتق کی خاصیت بھی رکھتے ہیں۔

ایجادات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہے۔ انسان نئی سے نئی معلومات حاصل کرتا چلا جاتا ہے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آسمان میں بھی آثار الصفات کے نوادر مخفی ہیں اور زمین میں بھی آثار الصفات کے نوادر مخفی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء اور ارادہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پس زمین کا ایک حصہ تو عیاں ہے اور اس کا ایک حصہ گٹھڑی کی طرح بندھا ہوا بھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نظام کے ماتحت انسان کے اندر ایک Urge (خواہش) رکھی تھی، ایک عزم عطا کیا تھا، ایک ہمت دی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوؤں میں نئی سے نئی معلومات کو تلاش کرے۔ چنانچہ اس Urge (خواہش) کو پورا کرنے کے سامان پیدا کر دیئے گئے جن سے انسان ہمیشہ فائدہ اُٹھاتا رہا ہے اور آئندہ بھی اُٹھاتا رہے گا۔ پس خدا تعالیٰ کے نزدیک قرآن کریم کی رو سے زمین بیک وقت رتق کی بھی اور فتق کی بھی اہلیت رکھتی ہے اور یہ فتق دراصل الٰہی منشاء اور حکم سے ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان اس دنیوی زندگی میں دنیوی طور پر ارتقاء کے بے شمار مدارج طے کرتا آیا ہے اور آئندہ بھی طے کرتا چلا جائے گا۔ ہمارا دماغ اس کی حد بست کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا کا قول اور اس کا فعل یکساں ہوتے ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بیک وقت وہ کتابِ مبین بھی ہے اور کتابِ مکنون بھی ہے اور اسی طرح خدا تعالیٰ کا جو فعل ہے یعنی خدا تعالیٰ کی صفات نے جو حدوث کا رنگ

اختیار کیا اُس کے متعلق اس آیت میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کا جو جلوہ زمین کی صورت میں ظاہر ہوا ہے وہ بیک وقت رتق بھی ہے اور فتق کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ یہ زمین بندھی ہوئی بھی ہے اور اپنے ظاہر ہونے کی اہلیت بھی رکھتی ہے اس میں بظاہر کوئی تضاد نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخفی رازوں کا انکشاف انسانی کوشش کا مرہونِ منت ہے۔ جب انسان کوشش کرتا ہے اور تلاش و جستجو میں اپنی کوشش کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کائنات کے مخفی راز اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں جس سے ترقیات کے نئے سے نئے میدان اُس کے لئے نکلتے چلے جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے زمین کی ایک اَور خصوصیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے فرماتا ہے:۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الانبیا: ۳۴)

اب خالی یہ نہیں فرمایا کہ دن اور رات کو پیدا کیا بلکہ دن اور رات جس طرح پیدا ہوئے ان کا علم بہم پہنچانا بھی مدنظر رکھا۔ چنانچہ ہمارے یہ دن اور یہ راتیں جس شکل میں ہمارے سامنے آتی ہیں اور ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں اس کا دارومدار اس حقیقت پر ہے کہ زمین سورج سے ایک معین فاصلے پر ہے اور زمین ایک معین رفتار سے سورج کے گرد چکر کاٹ رہی ہے اور یہ ایک خاص زاویہ پر اپنا محور بنا رہی ہے اور پھر زمین کی اپنی رفتار بھی معین و مقرر ہے۔ یہ سارے حقائق جن کے نتیجہ میں یہ دن جو ہماری اس زمین کا دن کہلاتا ہے وہ دن بنتا اور یہ رات جو ہماری اس زمین کی رات ہے وہ رات بنتی ہے۔

کچھ عرصہ ہوا مجھے ایک ایسی کتاب پڑھنے کا موقع ملا جو ایک سائنس دان نے لکھی ہے اور جس میں اس نے خدا تعالیٰ کے وجود پر بہت کچھ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہیں وہ ہر چیز کو اتفاقی کہتے ہیں اور ہر چیز کے بارے میں اتفاقی، اتفاقی کی رٹ لگاتے چلے جاتے ہیں۔ مگر ان سارے اتفاقات کا جمع ہو جانا اتفاقی نہیں ہو سکتا۔ ایک سائنس یعنی ایک خاص علم ایجاد کیا گیا ہے جسے Science of chances (علم اتفاقات) کہتے ہیں۔ چنانچہ اس سائنس دان نے بھی اس خاص علم یا اس علم کے خاص اصول کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ حقائق اشیاء کی رُو سے ہستی باری تعالیٰ کا انکار نہیں ہو سکتا اس کی وہ مثال دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دس ہندسے لکھ کر قرعہ نکالیں ۱۰؍۱ چانس یہ ہے کہ ایک پہلے قرعہ میں نکل آئے اور اسی طرح ۱۰۰؍۱ چانس یا ۱۰۰۰؍۱ چانس یہ ہے کہ دوسری اور تیسری بار بھی ایک نکلے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ وہ لکھتا ہے کہ زمین اور اس پر انسان کا وجود، انسانی حیات کا امکان اور بقاء اور

ارتقاء کی سہولتیں یہ اتنی چیزوں سے وابستہ ہیں کہ ہر چیز کو اور اس لمبے سلسلے کو Chance یعنی اتفاق کہہ کر نہیں ٹالا جا سکتا اس کے لئے کوئی جائز وجہ ہونی چاہئے جس کو ہماری عقل بھی تسلیم کرے۔ پھر اس نے آگے Chances (اتفاقات) گنوانے شروع کئے۔ وہ لکھتا ہے اگر زمین سورج سے اتنے فاصلے پر نہ ہوتی جتنے فاصلے پر اب ہے تو اگر اس فاصلے سے قریب ہوتی تو دنیا کی ہر چیز کوئلہ بن جاتی اور اگر تھوڑی سی دُور ہوتی تو ہر چیز یخ بستہ ہو کر رہ جاتی۔ اسی طرح چاند زمین سے ایک خاص فاصلے پر ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر چاند زمین سے ایک نیزے کے برابر بھی قریب ہوتا تو سمندر کے جوار بھاٹے کی لہریں کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں تک پہنچ جاتیں مگر چاند کے زمین سے ایک خاص فاصلے پر ہونے کی وجہ سے سمندر کی لہریں اعتدال پر رہتی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ آخر یہ لہریں اعتدال پر کیوں رہتی ہیں۔ ان میں زبردست جوار بھاٹا کیوں نہیں اُٹھتا۔ اتفاق ہر چیز اتفاق۔ سورج سے زمین کا فاصلہ اتفاق، چاند سے زمین کا فاصلہ اتفاق، سورج کے گرد زمین کا ایک خاص زاویہ اور محور پر ایک خاص رفتار سے گھومنا اتفاق، کہاں تک اتفاق، اتفاق کہتے چلے جاؤ گے۔ تمہیں ماننا پڑے گا کہ ان عالمین کے پیچھے ایک بالا رادہ ہستی ہے جس نے یہ ساری مخلوق پیدا کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ دن اور رات جو تمہارے سامنے ہیں اور وہ تمہاری زندگی اور اس کی بقاء اور ارتقاء کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھنا چاہتا ہے اور یہ زمین جس پر تم زندگی گزارتے ہو اس میں یہ خصوصیت ہے کہ سورج سے ایک معیّن فاصلے پر واقع ہے، چاند سے اس کا ایک خاص اور موزوں فاصلہ ہے، سورج کے گرد گھومنے کے لئے ایک خاص محور مقرر ہے اور ایک معیّن اور مقرر اندازے کے مطابق گردش کر رہی ہے وغیرہ حقائق پر مشتمل یہ حکیمانہ نظام دراصل ایک بالا رادہ ہستی کے وجود کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔ غرض ان حقائق کے نتیجہ میں ہمارے یہ دن اور یہ راتیں وجود پذیر ہوتی ہیں۔ فرمایا یہ وہ زمین ہے جس کے یہ دن اور یہ راتیں ہیں۔ ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار تجلّیات جلوہ فگن ہیں۔ پھر سورج اور چاند کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اس زمین کا ایک خاص تعلق سورج اور چاند دونوں کے ساتھ ہے۔ مثلاً سورج زمین کو اتنی کھاد دے رہا ہے کہ اس ترقی یافتہ زمانے میں ساری دنیا کے کھاد کے کارخانوں میں تیار ہونے والی مصنوعی کھاد مجموعی طور پر اس کا کھربواں حصہ بھی نہیں بلکہ صحیح جزو بتانے کیلئے شاید ہمارے اعداد وشمار ختم ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں باتوں باتوں میں ایک نئی تحقیق میرے ذہن میں آ گئی ہے وہ بھی

میں بتا دیتا ہوں۔سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ جب بادل آتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے ایک تو گرج کی آواز ہے جو بعض لوگوں کو ڈرا دیتی ہے اور بعض کو اللہ تعالیٰ کی حمد پر مجبور کر دیتی ہے۔ چنانچہ بادلوں میں چمکنے والی یہ بجلی نصف گھنٹے میں اتنی مصنوعی کھاد پیدا کر دیتی ہے جس کو ساری دنیا کے کارخانے ایک دن یا شاید ایک سال میں جا کر بھی تیار نہیں کر سکتے۔ بہر حال سورج اور چاند کے ساتھ زمین کا تعلق جس حد تک ہماری سائنس نے ہمیں بتایا ہے وہ ایک ظاہر و باہر حقیقت ہے۔سورج کے ساتھ زمین کے تعلق کی ایک چھوٹی سی مثال میں نے ابھی دی ہے اب چاند کے زمین کے ساتھ تعلق کی بھی مثال دے دیتا ہوں جو چھوٹے بچوں کیلئے دلچسپی کا موجب بھی ہوگی۔ چاندنی راتوں میں یہ لمبی سی تر یعنی ککڑی اس رفتار سے بڑھ رہی ہوتی ہے کہ اس کی آواز انسان اپنے کانوں سے سُن سکتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ چاند کی روشنی پھلوں کو فربہی بخشتی ہے اور پھر بھی چاند میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوئی۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کی گوناگوں صفات کے جلوے ہیں جو سورج اور چاند کے زمین کے ساتھ تعلقات میں ہمیں یہاں اور وہاں نظر آتے ہیں۔ یہ ہے وہ زمین جسے قرآن کریم نے الارض کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اب میں ان جزئیات کے ذکر کو چھوڑ کر کہ ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا زمین کی بعض اصولی خصوصیات کی طرف آتا ہوں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ (الحجر:۲۰)

کہ ہم نے زمین میں ہر چیز موزوں پیدا کی ہے۔موزوں کا لفظ ایک تو نسبت کو چاہتا ہے اور دوسرے یہ ایک اندرونی کیفیت ہے جس میں متوازن ہونے کا مطالبہ ہے۔ چنانچہ اسی لئے قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے اس زمین میں میزان قائم کیا ہے،اس زمین سے تعلق رکھنے والے صفات باری تعالیٰ کے جلوؤں میں اصولِ توازن کارفرما ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں:۔

اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ (الرحمٰن:۹)

کہ اس اصولِ توازن کو توڑنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تم سخت نقصان اُٹھاؤ گے۔ مثلاً کھانے پینے میں Balanced Diet (متوازن غذا) کے محاورہ کو ہماری موجودہ سائنس نے بھی اختیار کر لیا ہے اور میزان کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے متوازن غذا کے اصول کو دریافت کیا ہے یعنی ہماری غذا کے جو

معلوم اجزاء ہیں ان میں ایک معین توازن ہونا چاہئے۔غذا میں اتنی پروٹین ہو اتنی مقدار میں لحمیات کی ہو اس میں اتنا میدہ ہو اس کے اندر وٹامن کی ایک خاص مقدار پائی جاتی ہو۔ پھر Mineral Salts (نمکیات) ہیں۔Fat یعنی چکنائی ہے جو گھی اور مکھن کی شکل میں ہوتی ہے۔گھی صرف گائے بھینس کا نہیں بلکہ جو گھی مصنوعی طور پر تیار کئے جاتے ہیں مثلاً توریہ سے مصنوعی گھی تیار کیا جاتا ہے وہ بھی گھی کی ایک قسم ہے اور اس میں چکنائی پائی جاتی ہے۔پس گھی اور پروٹین ہے میں نے سمجھانے کے لئے پروٹین کا مطلق لفظ بول دیا ہے ورنہ اس کی آگے آٹھ نو معلوم قسمیں ہیں ابھی اور آگے پتہ نہیں کتنی قسمیں معلوم ہوں۔غرض غذا کی ان تمام چیزوں میں توازن ہونا چاہئے۔ ہر ایک چیز کو ایک اندازے کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ پس غذا کے تمام اجزاء متوازن اور مناسب ہونے چاہئیں اور پھر غذا کے ہضم کا توازن بھی برقرار رکھنا چاہئے کیونکہ ہر چیز میں توازن کا اصول کارفرما ہے اس لئے جتنی غذا استعمال کی جائے اس کے ہضم کرنے کا بھی انتظام ہونا چاہئے کیونکہ قدرت نے ہر چیز میں توازن قائم کر رکھا ہے۔ شیر کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ دو اڑھائی بلکہ تین من تک شکار کا گوشت کھالیتا ہے لیکن پھر وہ آرام نہیں کرتا بلکہ گوشت کو ہضم کرنے کیلئے جنگلوں میں کم و بیش پچاس میل کا چکر کاٹتا ہے پھر وہ سو جاتا ہے اور جب اُٹھتا ہے تو اسی بچے کھچے گوشت کا ناشتہ کرتا ہے کیونکہ اس کی بڑی خوراک یہی گوشت ہے پس شیر کو اللہ تعالیٰ نے آزادی اور اختیار نہیں دیا بلکہ اپنے حکم کا پابند بنایا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو فرمایا کئی من گوشت تجھے کھانے کو دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ میں نے میزان کا جو اصول قائم کیا ہے وہ برقرار رہے اس لئے اس کو ہضم کرنے کیلئے تجھے کم و بیش پچاس میل کی دوڑ لگانی پڑے گی اور اگر ہم بھی اسی قسم کی دوڑ لگائیں تو بے شک شیر جتنا گوشت تو نہ کھاسکیں لیکن ہماری خوراک ضرور بڑھ جائے۔ایک بنیا د جو اپنے سامنے بہی کھاتے کھول کر بیٹھا رہتا ہے اور ساتھ خوب مٹھائی (ہاں یہ بھی میزان خوراک میں ایک بڑا جزو ہے) کھاتا رہتا ہے جس کے نتیجہ میں اس پر چربی چڑھ جاتی ہے اور پیٹ بڑھ جاتا ہے اتنا کہ مثال کے طور پر ہم کہہ دیں کہ اس کے اندر ایک ہاتھی چھپ جائے۔غرض اس سے اپنا پیٹ سنبھالا نہیں جاتا کیونکہ ایک تو اس نے غیر متوازن غذا کھائی اور جو کھائی اس کے ہضم کا انتظام نہیں کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے زمین کی ہر چیز کو موزوں پیدا کیا ہے۔ ہر چیز میں توازن کا قانون جاری کیا ہے جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ کسی چیز کی موزونیت نسبت سے تعلق رکھتی ہے یہ انسان کی نسبت ہے کیونکہ ہر چیز کو انسان کے

لئے پیدا کیا گیا ہے اور پھر تمام انسانوں میں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستو وہ صفّت ہے جن کے لئے یہ ساری مخلوق ظہور پذیر ہوئی۔ آپ انسانیت کا نچوڑ اور جوہرِ کامل ہیں۔ آپ کو انسانیت کا کمال حاصل ہوا۔ غرض ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے آپ کی علوِ شان کا اظہار کر سکیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو میں نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں بے شمار قابلیتیں عطا کیں۔ تمہارے اندر جسمانی قابلیتیں رکھیں۔ تمہارے اندر ذہنی قابلیتیں رکھیں۔ پھر تمہارے اندر اخلاقی قابلیتیں رکھیں تمہارے اندر روحانی قابلیتیں رکھیں اور ان قابلیتوں کی صحیح نشوونما کے لئے میں نے ہر موزوں چیز پیدا کر دی اگر تم چاہو تو تم اس سے فائدہ اُٹھا کر صحیح راہوں پر چل کر اپنی انفرادیت کی نشوونما کو اس کے کمال تک پہنچا سکتے ہو کیونکہ میں نے ہر چیز کو موزوں شکل میں پیدا کیا ہے۔

ایک موٹی مثال اس موزونیت کی افیون ہے۔ انسان کی بیماریوں کو دُور کرنے کے بھی اس میں اللہ تعالیٰ نے سامان پیدا کئے ہیں۔ چنانچہ طب یونانی میں افیون کو بڑی کثرت سے دواؤں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ایک عام اندازہ کے مطابق ۷۵ یا ۸۰ فیصد نسخوں میں افیون ضرور شامل ہوتی ہے لیکن وہ ہر دوائی کا جزو بنتی ہے اپنی قدرتی اور طبعی اور موزوں شکل میں۔ اسی لئے طب یونانی کی تاریخ میں کبھی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا کہ طب یونانی کے نسخوں کے استعمال کے نتیجہ میں کسی فردِ واحد کو افیون کھانے کی عادت پڑ گئی ہو کیونکہ ہر ایسے نسخہ میں خدا کے قانون کی روشنی میں تجربہ کر کے اس کی مقدار موزوں اندازے کے مطابق رکھی جاتی ہے لیکن اس کا غلط استعمال بھی ہونے لگا۔ چنانچہ اس کے بعض اجزاء کے اگر کسی شخص کو دو ٹیکے کر دیئے جائیں تو اس کو افیون کی عادت پڑ جاتی ہے اور اُدھر وہ دواؤں کی شکل میں موزوں مقدار میں ساری عمر کھاتا رہے تو پھر بھی اس کی عادت نہیں پڑتی۔

پس اللہ تعالیٰ نے انسان کی نسبت سے یعنی انفرادی طور پر جس جس قسم کے توازن کی ضرورت تھی اس اس شکل میں اُسے پیدا کیا۔ پھر ایک نوعی توازن قائم کیا جو مثلاً اجناس کے اندر کارفرما ہے۔ اسی طرح تمام پھلوں اور کھانے پینے کی اشیاء میں توازن قائم ہے اور یہ زمین ہے جس میں یہ موزونیت یہ میزان کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ قرآن کریم اسے کہے گا کہ انسان کے قویٰ اور اس کی قابلیتوں کی صحیح اور بہترین نشوونما کے لئے جس غذا کی جس شکل میں جس موزوں حالت میں اور جس متوازن صورت میں ضرورت تھی یہ اس زمین میں پائی جاتی ہے۔ غرض جس مجموعہ آثارِ الصفات میں موزوں غذا پائی جاتی ہے وہ زمین ٹھہری۔

پھر فرمایا:۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ﴿۱۲﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ﴿۱۳﴾ (الطارق:۱۲،۱۳)

یعنی زمین وہ ہے جو صدع ہونے کے اثر کو قبول کرنے کی اہلیت رکھتی ہے یعنی زمین وہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے غیر محدود جلوؤں کے ساتھ ہمیشہ متوجہ رہتا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ زمین آثارِ صفات باری تعالیٰ کے مخصوص مجموعے کا نام ہے اس لئے زمین کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے غیر محدود جلوؤں کے ساتھ متوجہ رہتا ہے کیونکہ یہ ان غیر محدود مؤثرات کا اثر قبول کرنے کی ہمیشہ اپنے اندر اہلیت پاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار جلوؤں کا ظہور ہو رہا ہے اور زمین ان کو قبول کر رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے جلوے جو ہر وقت ظہور پذیر ہو رہے ہیں ان کے نتیجہ میں مخلوق میں نئے خواص پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً خشخاش کا دانہ ہے آج سے سَو سال پہلے انسان نے اس کے جو خواص معلوم کئے تھے آج ہم نے ان سے کہیں زیادہ معلوم اور دریافت کر لئے ہیں۔ پس ضروری نہیں کہ یہ نئے دریافت شدہ خواص سَو سال پہلے بھی اس میں موجود ہوں۔ ہوسکتا ہے اس سَو سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے نئے جلوؤں کی وجہ سے مزید خواص رونما ہوئے ہوں۔ پس صفاتِ باری تعالیٰ کے یہ جلوے اور زمین کی قبولیت کے یہ آثار ابتدائے آفرینش سے اب تک جاری ہیں۔ زمین صفاتِ باری تعالیٰ کے جلوؤں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کے ان مخصوص جلوؤں کا سلسلہ ایک لحظہ کے لئے بھی منقطع ہو جائے تو یہ سارا کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اگر انسان ایک لحظہ کے لئے اس دائرۂ صفاتِ باری اور دائرہ قبولِ اثر یعنی زمین میں جو آسمان سے اللہ تعالیٰ کی صفات کے جلوؤں کو اپنے اندر قبول وجذب کر کے ان کو زندگی اور بقاء اور تازگی اور نئے خواص کا جامہ پہنانے کی اہلیت ہے وہ نہ ہو تو اگر انسان ایک لحظہ کے لئے بھی اِس دائرہ سے باہر قدم رکھے تو ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآنِ کریم نے جس مخلوق کو زمین کہا ہے اس سے باہر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (الفرقان:۳)

اِس مضمون پر قرآن کریم نے دو زاویوں سے روشنی ڈالی ہے۔ پہلے میں دوسرے نقطۂ نگاہ کو پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ (ابراهيم: ۳۵)

اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر اس وسیع مضمون کو اس صورت میں بیان فرمایا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات کی حیثیت میں پیدا کیا گیا ہے اور ہر دوسری مخلوق کو اس کی خدمت پر لگا دیا گیا ہے لیکن اس میں اس سوال کا جواب نہیں آتا تھا کہ ہمیں جتنے خادم درکار تھے وہ دیئے گئے ہیں یا نہیں۔ یعنی جو چیز ہمیں میسر آئی ہے وہ تو بہر حال خادم ہے لیکن ہماری ساری ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے جتنے خادم چاہئے تھے آیا وہ ہمیں ملے ہیں یا نہیں اس کا جواب اس فقرہ میں نہیں آتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ (ابراهيم: ۳۵)

کہہ کر یہ تسلی بخش جواب دیا کہ تمہاری ساری قابلیتوں اور طاقتوں اور اجزاء اور جوارح نے جس جس چیز کا مطالبہ کیا تھا وہ ساری کی ساری تمہیں عطا کی گئیں۔ ہم نے تمہیں کان دیئے کان کا یہ مطالبہ تھا کہ صوتی لہروں کا انتظام کیا جائے ورنہ مجھ تک آواز کیسے پہنچے گی۔ پھر اس کا یہ تقاضا بھی تھا کہ میرے اندر وہ نظام بھی پیدا کیا جائے کہ جو میں سنوں یا محسوس کروں وہ دماغ کے اس حصہ تک پہنچا دوں جہاں اس کو پہنچنا چاہئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کان کے سارے مطالبے پورے کر دیئے۔ اسی طرح آنکھوں نے پہلا مطالبہ تو یہ کیا کہ یہ جسم ایسا ہے کہ جس کے ذرّے بدلتے رہتے ہیں اس لئے کھانے پینے کے ذریعہ ایسے ذرّے ہمارے جسم میں داخل ہوں جن میں آنکھ کا ذرّہ بننے کی قابلیت ہو ورنہ جس ذرّہ میں پاؤں یا ناخن بننے کی قابلیت ہے وہ اگر آنکھ میں جائے تو آنکھ کو سرخ تو شاید کر دے مگر اس کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ پس آنکھ کا جو اپنی تخلیق کے اعتبار سے بہت ہی عجیب چیز ہے یہ فطرتی تقاضا تھا کہ اسے ایسے اجزاء یا ایسے ذرات میسر آئیں جو اس کا ذرہ بننے اور اس کے جوہر کو اُجاگر کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آنکھ کا یہ مطالبہ پورا کر دیا۔

آنکھ کا یہ مطالبہ تھا کہ میں از خود کوئی چیز نہیں ہوں مجھے باہر کی روشنی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے باہر کی روشنی پیدا کر دی۔ آنکھ کا یہ تقاضا تھا کہ اُس تک خاص زاویوں سے روشنی کی لہریں پہنچیں تا کہ مختلف رنگوں اور سیاہ اور سفید میں فرق کر سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آنکھ کے اس تقاضا کو بھی پورا کر دیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انسانی دل کے مطالبے تھے۔ اس کے ہاتھ کے مطالبے تھے۔ اس کی پنڈلی کے گوشت کے لوتھڑے کا یہ مطالبہ تھا کہ اے خدا جو Chemical Composition

(کیمیکل کمپوزیشن) تو نے میری بنائی ہے اس کے نتیجہ میں ایسی چیز مجھے میسر فرما کہ اگر میں بیمار ہو جاؤں تو وہ کان میں پہنچنے کی بجائے تیرے حکم سے میرے گوشت کو صحت مند کرنے کی کوشش کرے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ایک تو ہر چیز کی کیمیکل کمپوزیشن اس طرح بنائی اور پھر اس کے مناسب حال ہر چیز پیدا کر دی۔ فرمایا یہ دوا ٹانگ کے لئے اچھی ہے۔ یہ دوا ناخنوں کے لئے اچھی ہے۔ چنانچہ ایلوپیتھی کی رو سے بھی کان والی دوا ناک میں نہیں پڑ سکتی اور نہ ناک والی کان میں۔ یہ امتیاز، یہ سلیقہ یہ دوائی کا انتخاب دراصل ہر جسمانی عضو کی ضرورت کے مطابق ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انسان حتّٰی کہ اس کے ہر ایک عضو کے تقاضا کے مدِّنظر اس کے مناسب حال چیزیں پیدا کر دیں۔ چنانچہ سورہ ابراہیم کی مندرجہ بالا آیہ کریمہ اسی حقیقت کی غماز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے انداز میں فرمایا کہ ہر وہ مطالبہ جو تمہارے وجود نے ہم سے اپنی بقاء اور اپنے ارتقاء کے لئے کیا وہ ہم نے پورا کر دیا۔ یہ تو ایک زاویہ نگاہ تھا۔ دوسرا نقطۂ نگاہ جو دراصل پہلے بیان کرنا چاہئے تھا لیکن مصلحتاً میں نے اس کو پیچھے رکھا ہے یہ تھا کہ جو بھی تمہارے اندر قابلیت ہے اس کی بقاء اور ارتقاء اور کمالِ نشو ونما کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ ہم نے پیدا کر دی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (الفرقان:۳)

ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی حد بندی کر دی۔ اب اس آیت سے ہمیں یہ پتہ لگتا ہے کہ انسان کو اسی زمین پر رہنے کی ضرورت کیوں ہے اور وہ زمین سے باہر اپنی زندگی کیوں نہیں گزار سکتا اس لئے کہ اس زمینی حد بندی کو توڑنا انسان کے بس کا روگ نہیں مثلاً ہمارے پھیپھڑے ہیں۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہوا پیدا کر دی اور ساتھ ہی یہ حد بھی لگا دی کہ ان انسانی پھیپھڑوں کی زندگی اس ہوا تک محدود ہے اس ہوا کے بغیر اور کسی چیز سے وہ زندگی حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ویسے اس میں شک نہیں کہ ہواؤں ہواؤں میں بھی فرق ہے۔ اگر ہم بلندی پر چلے جائیں تو سانس پھولنے لگ جاتا ہے، آکسیجن کم ہو جاتی ہے۔ بہت ساری چیزیں ہیں کچھ ہمیں معلوم ہیں اور کچھ آگے چل کر انشاء اللہ معلوم ہوں گی۔

پس فرمایا کہ ہم نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کو محدود یعنی ایک حد کے اندر مقید کر دیا ہے وہ اس سے باہر نہیں جا سکتی۔ پھیپھڑے صرف اس ہوا سے آکسیجن لے سکتے ہیں جو اِس زمین میں پیدا کی گئی ہے۔ ہمارے جسم صرف اس پانی سے زندگی حاصل کر سکتے ہیں جو اس زمین میں پیدا کیا گیا ہے ہماری

آنکھ صرف روشنی کی ان لہروں کو دیکھ سکتی ہے جو لہریں اس غرض کے لئے اس زمین میں بنائی گئی ہیں۔ ہمارے کان جن صوتی لہروں کے ساتھ Tune (ٹیون) کئے ہوئے یعنی ان کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ایک تو یہ کہ صوتی لہریں ہیں اور اپنی بے شمار خصوصیات کے لحاظ سے محدود ہیں اور پھر ان کو ایک تنگ دائرہ میں لہروں کے ساتھ Tune (ٹیون) کر دیا۔اب انسان نے بعض ایسی وِسلیں (Whistles) بنا لی ہیں کہ جن کی آواز شکاری کتا سن لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ کا آدمی نہیں سن سکتا اور جس شکار کے پیچھے وہ گیا ہوتا ہے اس کو بھی وہ آواز سنائی نہیں دیتی صرف شکاری کتے کو وہ آواز سنائی دیتی ہے۔یعنی ایسی لہر دریافت کر لی ہے جو صرف کتے کے کان سن سکتے ہیں۔غرض ہر چیز کی حد بندی کر دی یہ حد بندی کا ایک الگ وسیع مضمون ہے لیکن میں اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا تھا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی صفات اس رنگ میں جلوہ گر ہوئیں کہ انسانی قویٰ کا جو بھی تقاضا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو اس چیز میں مخلوق کر دیا۔اب یہ مضمون ہے جو اس آیہ کریمہ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا میں بیان ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو بھی قوت پیدا کی اس کو محدود اور مقید کر دیا۔زمین میں جو صفات باری تعالیٰ کے جلوے تھے ان کے ساتھ انسان کو باندھ دیا۔کان کی شنوائی کو صوتی لہروں کے ایک خاص حصے سے جوڑ دیا یہی حال آنکھ کا ہے۔یہی حال زبان کا ہے۔بہت سی چیزیں ہیں جو انسان بڑے شوق سے کھاتا ہے لیکن جانوروں میں سے بعض جانور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے آپ وہ چیز ڈال دیں تو وہ ناک چڑھا کر پرے ہٹ جاتے ہیں اس چیز کو منہ تک نہیں لگاتے یعنی جس چیز کو جانور منہ نہیں لگاتے اُسے انسان کے مناسب حال بنا دیا۔اس سے انسان کو خود ہی سوچنا چاہئے تا کہ اس کے دل میں غرور اور تکبر پیدا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو عظمت بخشی ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان نے جس چیز کو دھتکار دیا جانوروں نے اس کو قبول کر لیا۔بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین میں بے شمار خصوصیات ہیں جن میں سے بعض کا مَیں نے اِس وقت ذکر کیا ہے۔مثلاً ہوا ہے، پانی ہے، پھر پانی کی آگے مناسب تقسیم کا انتظام ہے، کھانے پینے کی متنوع اشیاء ہیں، متوازن غذائیں ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عجیب نظارہ ہے کہ کھانے کی مختلف چیزیں ایک جیسی زمین اور ایک جیسے پانی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔پھر ہر ایک چیز میں توازن کے اصول کارفرما ہیں۔

غرض تم نے زبانِ حال سے جس چیز کا بھی مطالبہ کیا ہے زمین تمہارے مطالبات کو پورا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی صفات کے جلوے اس دنیا میں اس رنگ میں ظاہر کئے ہیں کہ تمہاری کوئی قوت بھی یہ نہیں کہہ سکتی کہ اے میرے ربّ! میں نے تجھ سے یہ مانگا تھا اور تو نے وہ مجھے دیا نہیں۔ یہ التجا دوسری دعا کی طرح نہیں ہے جو کبھی تو قبول ہو جاتی ہے اور کبھی ردّ کر دی جاتی ہے۔ یہ تو دراصل انسان کی ہر قوت، ہر عضو اور ہر استعداد کا فطرتی تقاضا ہے جس کا اظہار وہ زبانِ حال سے کر رہی ہوتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا ہے کہ کسی قوت کے ضائع ہونے کا امکان باقی نہیں رہا۔ اگر انسان از خود حماقت، تکبر یا اللہ تعالیٰ سے بغاوت کی راہ اختیار نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے انسان کی ہر قوت اپنے نشو ونما کے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔

غرض زمین یا الارض وہ ہے جس کے اندر انسان کو خدا تعالیٰ کی صفات کے بعض مخصوص جلوؤں کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔ اس کی آنکھ کو بھی، اس کے کان کو بھی، اس کی زبان کو بھی، اس کی ناک کو بھی، اس کے جسم کے گوشت کے مختلف حصوں کو بھی، اس کے جسم کی ہڈیوں کے مختلف حصوں کو بھی، اس کے جسم کے اعصاب کے مختلف حصوں کو بھی، انسانی دماغ اور اس کے مختلف حصوں کو بھی فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا کی رو سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص جلوؤں کے ساتھ محدود ومقید کر دیا ہے۔ پس یہ ہے وہ زمین یا الارض جس میں انسان کی ہر قوت، ہر قابلیت، ہر استعداد اللہ تعالیٰ کی صفات کے مختلف جلوؤں میں سے کسی نہ کسی جلوے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ زمین ہے اور اس زمین کے بغیر تم کہیں بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ انسانی عقل بھی یہی کہتی ہے کیونکہ ہمارے پھیپھڑے اسی ہوا کے محتاج ہیں۔ ہمارا جسم اسی زمینی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر انسان کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں صوتی لہریں اُن لہروں سے مختلف ہوں جن کے لئے کان Tune (ٹیون) کئے گئے ہیں تو کوئی آواز سنائی ہی نہ دے خواہ دنیا میں ایک ہنگامہ محشر ہی کیوں نہ بپا ہو لیکن انسان سمجھ رہا ہو کہ بالکل سکون ہے۔ بے شک یہ فضا زندگی سے لبریز کیوں نہ ہو مگر انسان اس میں کوئی ہل چل ہی محسوس نہ کرے۔ اسی طرح آنکھیں ہیں اگر یہ روشنی نہ ہو دوسری قسم کی روشنی ہو تو اس میں انسان تو اندھے کا اندھا رہے حالانکہ خدا کی مخلوق روشنی میں زندگی سے لطف اندوز ہو رہی ہوتی ہے، خوشی سے اپنی زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ مگر اس کو کچھ نظر ہی نہ آئے۔ ٹٹولتا پھر رہا ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کا وہ جلوہ جس کے ساتھ انسانی آنکھ کو باندھ دیا گیا تھا وہ جلوہ وہاں نہیں ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے یہ حد بندی کی ہے۔ تم اس حد بندی سے باہر نہیں نکل سکتے کیونکہ

یہ میری تقدیر ہے میں نے اپنی تقدیر کو چلایا ہے اور ہر ایک چیز کو ایک اندازے کے مطابق بنایا ہے تم میری اس تقدیر کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔ پس اگر زمین کی یہ تعریف ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی صفات کے مخصوص مجموعہ کا نام ہے یا آثار الصفات کے ایک مخصوص مجموعہ کا نام ہے جس کے ساتھ انسانی طاقتیں، قوتیں اور استعدادیں بندھی ہوئی ہیں اور جن کی پیدائش انسان کے فائدہ کے لئے ہے اور جن کے علاوہ کوئی اَور چیز اس کیلئے فائدہ مند نہیں بن سکتی کیونکہ جو کچھ پیدا کیا گیا ہے وہاں اُسے وَاٰتٰــکُمْ مِّنْ کُلِّ مَــاسَاَلْتُمُوْہُ کی رو سے عطا کیا گیا اور ہر وہ چیز جس کی انسان کو ضرورت تھی وہ اس زمین میں پیدا کر دی گئی۔ اگر خدا تعالیٰ کی صفات کے ان مخصوص جلووں سے ملتے جلتے جلوے اس عالم کے کسی اور حصے میں بھی نظر آنے لگیں پھر تو وہ یہی زمین الارض ہوئی اس میں انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ لیکن اس الارض کو جن معنوں میں قرآن کریم نے استعمال کیا ہے اِن معنوں کی رو سے اِس قسم کی زمین سے باہر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

فِیْهَا تَحْیَوْنَ کی صداقت اٹل ہے انسانی زندگی کا مدار صفاتِ باری کے اسی زمینی جلووں کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ اس ارض کے باہر یہ زمینی جلوے مفقود ہیں اس لئے اس الارض سے باہر زندہ رہنا محال ہے۔ ہم ایک لحظہ کیلئے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ انسان کبھی ایسی دریافت یا اس قسم کی ایجاد کر لے گا جس سے قرآن کریم کی تعلیم یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی جو تفسیر فرمائی ہے اس پر اعتراض کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ ہمارا مذہب اسلام بڑا پیارا مذہب ہے۔ ہماری کتاب قرآن کریم بڑی ہی عظیم اور حکمتوں سے پُر کتاب ہے۔ دلائل دے کر سمجھاتی ہے ہر چیز کو اس نے کتابِ مبین ہونے کی حیثیت میں کھول کر رکھ دیا ہے اور اس کے کتابِ مکنون ہونے کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ خود اپنے بندوں کو معلّم بناتا ہے۔ ان کو اس کی حکمتیں سکھاتا اور اس کتابِ عظیم کے مخفی رازوں کو ان پر کھولتا ہے۔ دنیا میں کوئی ماں ایسا بچہ نہیں جنے گی جو قرآن کریم پر صحیح اور جائز اعتراض کر سکے کیونکہ جب بھی کوئی اعتراض پیدا ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے اُمت مسلمہ میں اپنا ایک ایسا بندہ پیدا کر دے گا جس کا خود وہ معلم بنے گا جس کو خود وہ اعتراض کا جواب سکھائے گا۔

پس فِیْهَــا تَـحْـیَـوْنَ میں قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسانی زندگی اور بقاء اسی اَ لْاَرْض تک محدود ہے۔ یعنی آثارِ صفاتِ باری کے مخصوص جلووں ہی میں وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ انسان اس اَ لْاَرْض کے

ان جلوؤں سے باہر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ زندہ رہنے کا تصور ہی کر سکتا ہے۔ ہم چاند پر چند گھنٹے کے لئے اُترے نہ اپنے لباس سے باہر آنے کی جرأت کی۔ نہ اپنے کھانے کو چھوڑ کر کوئی اَور کھانے کا خیال آیا۔ نہ وہاں کوئی ہوا تھی جس میں سانس لے سکتے۔ پس جس کرہ پر ایک سانس بھی نہیں لیا قدم رکھ کر واپس آ گئے اس سے قرآن کریم کی ابدی صداقتوں پر تو کوئی حرف نہیں آتا بے شک یہ ایک کارنامہ ہے اور بہت بڑا کارنامہ ہے اس کو معمولی سمجھنا غلطی ہے لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کتنی ذہنی اور دماغی قوت عطا کی ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو صحیح رنگ میں استعمال کر کے یہ کارنامہ انجام دیا۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ۔ لیکن اس پر ہم کو غرور کیوں؟ قانونِ قدرت کے مطابق وہاں گئے اور وہاں یہ بھی نہیں کیا اور نہ کر سکتے ہیں کہ (اس زمین سے باہر یعنی اس قسم کی ہوا کے بغیر) سانس لے سکیں کیونکہ کسی جگہ بھی بعینہٖ ایک قسم کے جلوے ظاہر نہیں ہوتے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ

اللہ تعالیٰ کی صفات غیر محدود اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ کوئی دو وجود یعنی مخلوقات کے کوئی دو فرد برابر نہیں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا کوئی جلوہ دہرایا نہیں جاتا البتہ صفاتِ باری تعالیٰ کے جلوے آپس میں ملتے جلتے ضرور ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی الگ انفرادیت رکھتے ہیں۔ پس اگر کسی وقت انسان ایسے کرّہ میں پہنچ جائے جہاں خدا تعالیٰ کے آثار الصفات کے جلوؤں کا وہ مخصوص مجموعہ اس زمین کے مخصوص مجموعے سے ملتا جلتا ہو یعنی ہوا ہو لیکن ممکن ہے آکسیجن میں کمی ہو۔ کان کے لئے جو صوتی لہریں Tune (ٹیون) ہوئی ہیں ان کا دائرہ تنگ ہو یا Overlap (اُور لیپ) کر رہا ہو یعنی کچھ آوازیں اس کی ہم سن سکیں اور کچھ نہ سن سکیں لیکن بہر حال کام تو وہ کچھ نہ کچھ کرے گا یا آنکھوں کی روشنی اور زبان کی لذت یا وہاں جو دوائیں ہیں وہ ملتی جلتی ہوں۔ یوں ویسے ہم نے یہاں کب Perfect (صحیح) دوائیاں بنا لی ہیں۔ ابھی تو ملتی جلتی کو اکٹھا کرنے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اسی حالت میں انسان زندہ رہ سکے گا کیونکہ وہ اس زمین سے ملتی جلتی زندگی ہوگی۔ اَلْاَرْضِ کا مفہوم اس پر بھی حاوی ہو سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی غیر محدود صفات کا تقاضا یہ ہے کہ جلوے Repeat (دہرائے) نہ جائیں۔ جب سے انسان نے آم کھانے شروع کئے ہیں بے شمار آم پیدا ہوئے لیکن ہر آم کا درخت بھی اپنی انفرادیت رکھتا ہے اور ہر آم کا پھل بھی اپنی انفرادیت کا حامل ہے۔ حساس دل و دماغ سے بہت ساری ایسی اصطلاحیں نکلتی ہیں جن کو ایک عام آدمی استعمال نہیں کر سکتا اور کسی چیز کے متعلق علم کا نہ ہونا عدمِ شئی پر دلالت نہیں کرتا۔ یعنی جس

چیز کا ہمیں ابھی تک علم نہ ہو اس سے یہ نتیجہ نکالنا بڑی ہی نامعقول بات ہے کہ اس چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔

بہرحال خدا تعالیٰ کے نزدیک قرآن کریم کی رو سے الارض ایک مخصوص مجموعہ آثارِ صفات کا نام ہے۔ اس مخصوص مجموعہ سے دامن چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی صفات کے ان جلوؤں سے جن کے ساتھ انسان کی مختلف قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا کے مطابق باندھی گئی ہیں ان سے الگ تھلگ رہ کر انسان زندگی نہیں گزار سکتا کیونکہ انسانی زندگی کا انحصار اسی الارض پر خدا تعالیٰ کے انہی جلوؤں پر ہے۔ آج ہم تمام سائنس دانوں کو بڑے دھڑلے سے یہ چیلنج دیتے ہیں کہ تم ان زمینی خصوصیات اور ان ارضی لوازمات کے بغیر کسی دوسرے کرّہ پر رہ کر تو دکھاؤ تم تو انسان کا ایک ایسا پھیپھڑا تک نہیں بنا سکتے جو اس زمینی ہوا کا محتاج نہ ہو۔ تم تو ایسا انتظام بھی نہیں کر سکتے کہ پانی کے بغیر انسانی زندگی ممکن ہو۔ تم تو ایک ایسا نظام بھی نہیں چلا سکتے کہ جس سے متوازن غذا کے بغیر انسانی صحت کا قائم رکھنا ممکن ہو۔ صحت کے ساتھ ہی بقاء بھی آجاتی ہے بعض دفعہ لمبی بیماری نوعمری کی موت پر منتج ہوتی ہیں۔ صحت کا عمر کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے اور اس کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی صفات کے انہی جلوؤں پر ہے جنہیں زمین اپنے اندر سمیٹے ہے اور قانونِ قدرت کی صورت میں ہمیں نظر آتے ہیں۔

اس زمینی حدود سے باہر ان ارضی صفات سے بے نیاز ہو کر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ خلاصۃً آپ یاد رکھیں اور اطمینان پائیں کہ فِيْهَا تَحْيَوْنَ ایک زندہ صداقت ہے یہ اپنی ذات میں بالکل صحیح ہے لیکن آپ کے لئے اس تشریح کو مدّنظر رکھنا ہوگا جو ابھی میں نے زمین کے معنی و مفہوم کے سلسلہ میں بیان کی ہے ورنہ اس تشریح کے بغیر اگر آپ کسی سے بات کریں گے تو وہ آپ کو پاگل سمجھے گا۔ اب اس مضمون سے متعلق دو سوال یا دو حصے باقی رہ گئے ہیں یعنی فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ کی تشریح رہ گئی ہے۔ وقت زیادہ ہو گیا ہے تین بجے تک کا میرا وعدہ تھا سو اب تین بج گئے ہیں یہ دو حصے انشاء اللہ کسی اگلے خطبہ میں آجائیں گے۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ سالانہ نمبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۱۳ تا ۲۲)

☆......☆......☆